رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۵

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

ظلمتیں کافور ہو جائینگی اک دن دیکھنا | عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا | ہیں ابھی اک نورانی چہرہ کے پرستار زمیں میں

الفضل

خدا تعالیٰ نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جاویں تو انکی بھی ان سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے لیکن پھر بھی ... لوگ ... نہیں مانتے۔ (چشمہ معرفت ص ۳۱۷)

آخری زمانہ میں ایک رسول کا مبعوث ہونا ظاہر ہوتا ہے اور وہی مسیح موعود ہے (حقیقۃ الوحی ص ۶۵)

ہفتہ میں تین بار شائع ہوتا ہے

چار روپے ... خریداروں سے

مضامین بنام ایڈیٹر اور باقی تمام خط و کتابت بنیجر الفضل قادیان ضلع گورداسپور کے پتہ پر ہو +

چندہ غیر ممالک سے سات روپے (مع)

جلد ۲ | مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۱۵ء مطابق ۲ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ | نمبر ۹۳

مدینۃ المسیح

(۱) حضرت خلیفۃ وقت کی طبیعت اچھی ہے صبح و شام ابھی کھانسی اٹھتی ہے +

(۲) اہل بیت نبوی میں خیریت ہے +

(۳) جناب میر ناصر نواب صاحب قبلہ کی طبیعت پچھلے دنوں بہت ناساز ہوگئی۔ اب صحت پا رہے ہیں احباب دعا فرماویں +

(۴) الحکم ۱۶۔ جنوری ۱۵ء کو قابل دید مضامین کے ساتھ نکلا ہے +

(۵) ۱۶ و ۱۷ جنوری بارش رہی موسم پہلے سے زیادہ سرد ہوگیا +

(۶) اسی مہینے کے اندر تار لگ جانے کی خبر سنی تھی۔ مگر تا حال کچھ آثار نظر نہیں آتا +

تازہ خبریں

لنڈن ۱۴ جنوری۔ جہاز میلیا کا ہوائی تار آیا ہے کہ اسکی ٹکر جہاز فلول سے ہوگئی جو کلکتہ سے آرہا تھا۔ آخر الذکر کو غرق ہونے کی حالت میں چھوڑ اگیا عملہ والے بچا لئے گئے +

انٹورپ کی جرمن پوزیشنوں پر برطانوی ہوا بازوں نے بمب پھینکے۔ مگر ان سے جو نقصان پہنچا اس کا اندازہ نہ لگ سکے۔ (۱۵ جنوری) +

امسٹرڈم ۱۴ جنوری۔ جرمنوں نے سوزانز کے شمال مشرق میں ورگنی کی بلندیوں کو موسلا دھار بارش میں حملہ کر کے فتح کر لیا۔ وہ یکے بعد دیگرے خندقوں کو فتح کرتے چلے گئے۔ تا وقتیکہ رات نہ پڑ گئی۔ انھوں نے کلہم چودہ فرانسیسی افسر۔ ۱۱۳۰ سپاہی۔ چار معمولی اور چار

کلدار توپیں پکڑ لیں۔ یہ شاندار کارنامہ عین قیصر کی نظروں کے سامنے ظہور میں آیا +

پیرس ۱۴ جنوری۔ بلجیم میں دھند کی وجہ سے ہمارے توپخانہ کی کارگذاری میں خلل پڑتا رہا۔ تاہم پیرس اور نیو پورٹ میں شدید گولہ باری جاری رہی۔ بلجیک فوج نے مقام سٹو کنکرک کے جنوب شرق میں اس مکان کو اڑا دیا جہاں جرمنوں کا بارودی میگزین تھا۔ ہمارے توپ خانہ نے بمقام لنس دشمن کی کارکن ٹولیوں کو منتشر کر دیا۔ اور ناٹرے ڈیم کے متصل انکی خندقوں اور پناہوں پر گولہ باری کی۔ سوزانز کے شمال میں سارا دن سخت لڑائی ہوتی رہی +

پیرس ۱۵ جنوری۔ ترائے کے شمال اور فوقسکورٹ کے شمال مغرب میں جرمنوں نے حال میں جو خندقیں تیار کی تھیں ہم حملہ کر کے انکو مسمار کرنے میں کامیاب ہو گئے اور...

(باہتمام شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپکر شائع ہوا)

جنگ یوروپ

فرنچ مرکز کے دو اہم جنگی مواقع پر ایک تو وادی ایسن میں شمال مشرق سوئسٹر میں اور دویم پرتس کے متصل سخت جنگ ہو رہی ہے۔ حال میں فرانس کی پیشقدمی پر اسکے روکنے کے لئے جرمن بہت بڑی سپاہ کمک لائے جسکی وجہ سے فرانس وادی ایسن میں جگہ چھوڑنے پر مجبور ہوا مگر لڑائی اب تک ہو رہی ہے۔ موخر الذکر مقام میں فرنچ اپنے مورچہ پر قابض رہے +

پولینڈ میں جرمنوں نے بہت سے مقامات میں روسیوں پر حملے کئے مگر ہر جگہ پسپا ہوئے +

روسیوں نے مشرقی جرمنی میں پیشقدمی کر کے کئی دیہات پر قبضہ کر لیا +

قفقاز میں ترک سخت مزاحمت کر رہے ہیں۔ مگر کرور گان میں سخت جنگ روسیوں کی تائید میں نشوونما پا رہی ہے جنھوں نے ترکوں کی ایک پیدل رجمنٹ گرفتار کرنے کے علاوہ ایک بلٹن ستاصل کر دی +

اٹلی میں ہولناک زلزلہ۔ (لندن ۱۴ جنوری) اوینزانو (اٹلی) کے ایک شخص کا بیان ہے کہ زلزلہ کے آنے کے وقت میں بازار میں تھا۔ عمارات اور ہر شے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور منہدم عمارات سے گرد و غبار کے تاریک بادل اٹھے۔ تلف شدگان میں پریفیکچر (حاکم) کا تمام سٹاف سرکاری عہدہ دار بعد عدالت کے تمام ممبر اور میونسپل کمشنر۔ ۹۵ سے ۱۰۰ تک قلعہ کے سپاہی۔ تمام کارابینیر اور آٹھ تو پولیس مین بھی داخل ہیں۔ جو عمارات تباہ ہوگئیں ان میں کلونامس کا مشہور قلعہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے بچے ہوئے بیں چند سو پسماندگان خیمہ زن ہیں۔ اس حادثہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے ہوش و حواس سرے گم ہو گئے ہیں اور وہ صم بکم ہیں +

لندن ۱۳ جنوری) پیرس۔ دشمن نے گذشتہ شب تمام رات سطح مرتفع پر پیریرہ کے فرنچ مورچوں پر سنڈ ومد سے گولہ باری کی۔ آج انھوں نے ایک مورچہ کو چھیننے کی سخت کوشش کی جس کا نتیجہ ہنوز نہیں نکلا +

(لندن ۱۲ جنوری) پیرس۔ آج سہ پہر کی مراسلت مظہر ہے کہ سمندر سے او ئس تک سخت گولہ باری ہوتی رہی اور سوئسنز کے شمال میں دشمن نے بارہا جارحانہ رویہ اختیار کیا۔ مگر پسپا ہوا۔ تاہم ان خندقوں کا کچھ حصہ حاصل کیا ہے۔ سوئسنز سے ریز تک توپ خانہ کی جنگ رہی ہماری بھاری توپیں موثر ثابت ہوئیں۔ ضلع سوئیس میں بھی ہمارے توپ خانے نے بڑی مستعدی ظاہر کی۔ بیپور۔ کیپور کے دمدمہ پر سخت جنگ ہوئی۔ دشمن دمدمہ کے اندر ایک خندق قائم کرنے میں کامیاب ہوا جس کا بڑا حصہ ہمارے پاس ہے۔ بوئس ہائی کسوئی اور بوئس لی پوچٹ میں ہمنے حملے پسپا کئے۔ دستوں نے جرمنوں کو جوسینٹ ساویٹر کے گاؤں کو لوٹ رہے تھے پسپا کر دیا۔ وگیس اور السیس میں برف پڑ رہی ہے جہاں سکون قائم ہے +

ترکی سپاہ نے پھر اپنی اصلاح کر لی۔ کرور گان میں جو سری کامش کے مغرب میں تقریباً ۲۰ میل ہے ترکوں سے چھ روز سے سخت جنگ ہو رہی ہے اور یہاں اور سری کامش میں سخت شکستوں کے بعد رہی سہی ترکی سپاہ درہ کرور گاں میں اپنی اصلاح کرنے کے قابل ہوئی ارض روم اور سنجان سے اسے کمک پہنچ گئی۔ ایک لاکھ ترکی سپاہ کا تخمینہ کیا جاتا ہے۔ ارض روم کے قریب ہونے سے انھیں رسد بسہولیت ملجاتی ہے +

فرنچ ہوا باز کا کارنامہ۔ لنڈن ۱۳ جنوری) پیرس را ایک فرنچ ہوا باز نے گرداوری کے بعد ایپنٹر کو واپس ہوتے ہوئے جرمن آلہ پرواز کو دیکھ کر اس کا تعاقب کیا اور چار فائر کئے۔ پہلے سے لفٹنٹ وان فالکن ہیں خلف جرمن چیف آف دی سٹاف ہلاک ہوا۔ دوسرے اور تیسرے نے ہوا شناس کو نشانہ بنایا۔ چوتھا ریڈیئٹر میں لگا +

(پریٹوریہ) سرکاری طور پر بیان ہوا ہے۔ کہ کمانڈنٹ وان زل رامنتر درفٹ پر جو جرمن علاقہ میں دریائے اورینج کا ایک خاص جائے عبور ہے۔ قابض ہو گیا۔ جرمن کو ہی مورچوں سے نکال دیئے گئے اور ہر سمت شمال انھوں نے مراجعت کی۔ مگر پھر اینر ناگہانی حملہ ہوا اور دو تین آدمی کھو کر اور پیچھے ہٹ گئے۔ انگریزی دستہ کی کسی جان کا نقصان نہیں ہوا +

استعفا۔ لنڈن ۱۳۔ جنوری ہاسٹرڈم۔ وائنا میں سرکاری مراسلت مظہر ہے کہ کونٹ وان برچٹولڈ ذاتی وجوہ سے عہدہ سے مستعفی ہو گیا۔ اور اسکی جگہ ہنگری کا وزیر بیرن بورٹیاں مامور ہوا ہے +

نیلام اراضی۔ لائل پور میں ۷ و ۸ جنوری کو نہر اپر چناب کی نو آبادی کے نیلام اراضی میں سرمایہ دار نیلام میں کم شریک ہوئے۔ مقامی زمینداروں اور دوکانداروں نے زیادہ تر زمینیں خریدیں ۹۳۸۹ ایکڑ اراضی نیلام ہوئی۔ فی ایکڑ ۱۸ روپے بالاوسط قیمت وصول ہوئی۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ قیمت کا بہت سا حصہ پونڈوں میں ادا کیا گیا۔ یہ پہلا سونا ہے۔ جو کئی ماہ کے بعد خزانہ کو وصول ہوا ہے +

ہندوستان کی خبریں

(کلکتہ ۱۶۔ جنوری) مسلمان بازہ بم کیس میں مجسٹریٹی تحقیقات دوشنبہ کو تکمیل پر پہنچے گی +

ہیڈ کنسٹیبل کی ہلاکت کی تحقیقات

کلکتہ ۱۶ جنوری) چونکہ مسلمان بازہ بم کیس کی عدالتی تحقیقات دوشنبہ کو مکمل ہو گی۔ اس لئے ہیڈ کنسٹیبل کے اسی حادثہ میں ہلاک ہونے کے متعلق کارونر کی تحقیقات بھی یوم مذکور پر ملتوی کیگئی ہے +

پرائز کورٹ

(ایضاً) کلکتہ ہائی کورٹ نے جرمن جہاز رانیفلز کے بار جہاز کے متعلق بعض اور پرائز مطالبات کا تصفیہ کیا۔ انگریزوں وہندوستانیوں کے مطالبات شرطیہ منظور کئے گئے۔ مشتبہ دعاوی اس وقت تک ملتوی کئے گئے۔ جب تک کہ ایڈوکیٹ جنرل کو اس بارہ میں گورنمنٹ ہند کی طرف سے ہدایت موصول نہ ہو +

ڈاکوؤں کی گرفتاری

(ایضاً) جو ڈاکو چوبیس پرگنہ میں ڈاکوؤں کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ ان میں سے ۱۶ کی جماعت حال میں گرفتار کیگئی ہے۔ جنمیں سے ایک نے اقبال جرم کر لیا ہے نیز کچھ قیمتی مسروقہ اشیاء بھی برآمد ہوئی ہیں۔ یہ گزشتہ چند ماہ سے باشندوں کے خوف وخطر کا موجب بن رہے تھے +

چندر نگر کا مقدمہ اقدام ہلاکت

(ایضاً) مقدمہ ہذا جسمیں نگندرا ناتھ گھوس عرف بنیو پر بندوقوں سے منموہن گھوش زمیندار و وکیل کی جان لینے کے اقدام کا الزام لگایا گیا تھا۔ کل علی پور سشن میں ختم ہوا جیوری نے بالاتفاق ملزم کی بے قصوری کا فتویٰ دیا۔ جج نے اس فتویٰ کو قبول کر کے نگیندرا ناتھ کو رہا کر دیا +

الفضل

قادیان دارالامان - مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۱۵ء

"يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ"

تمام جہان کے لئے وہی مذہب ہو سکتا ہے جو مختلف الاحوال مختلف المذاق مختلف الحوائج قوموں کے لئے کارآمد ہو۔ اور ہر ملک ہر علاقے ہر زمین ہر حالت میں اس پر عمل کرنا انسانی مقدرت کے اندر ہو۔ مذاہب میں سے ایک مذہب کو اختیار کرنے کے لئے۔ اور بھی کئی معیار ہیں۔ مگر انہیں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس پر عمل ہو سکے اور وہ عملی زندگی میں چل سکے۔ ذیل میں مہاراجہ گائیکواڑ کی ایک تقریر کا ایک حصہ دیا جاتا ہے ۔- وھو ہذا ؛

"ہوٹل کی مشکلات - یورپ میں علیحدہ کھانے پینے اور جدا ہی رسوئی (باورچی خانہ) کا بندوبست کرنے میں سخت دقت لاحق ہوئی۔ ہوٹل میں اسقدر آدمیوں کا انتظام کرنا سخت دشوار معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہمارے مذہب میں فرق نہ آئے۔ چونکہ رسویا (باورچی) ہمارے ہمراہ تھا علیحدہ ہی کھانے پکانے کا انتظام کیا گیا تھا جسکے لئے مزید اخراجات اُٹھانے پڑے۔ ہوٹل میں فرش فروش کی دقت واقع ہوئی۔ عورتیں فرش و فروش پر چلنا پھرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ اور اہل ہوٹل فرش اُٹھانا قبول نہیں کرتے تھے۔ اس کا فیصلہ عورتوں نے خود ہی عقلمندی سے کر لیا۔ وہ فرش کا ایک گوشہ اُٹھا کر کود کر جانے لگیں۔ اور جب کوئی پاس ہوتا تھا تو آہستہ آہستہ نکل جاتی تھیں۔ پیرس اور لنڈن جیسے بڑے بڑے شہروں میں ہماری مشکلات نہ پوچھئے۔ کیونکہ اسقدر آدمیوں کے لئے نیز علیحدہ باورچی خانہ بنانے کے لئے ہوٹل والے نے انکار کر دیا۔ ہرچند انھیں لالچ اور محبت سے منانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن وہ متفق نہیں ہوئے انھوں نے کہا کہ اگر ہم آپکے حکم کی بجا آوری کریں۔ تو ہم ہمیشہ کے خریداروں کو کھو بیٹھیں۔ اس لئے ہمیں خانگی مکانات کرایہ پر لینے پڑے جسکے لئے بڑا خرچ اُٹھانا پڑا۔ اور ایک دقت واقع ہوئی۔ گھر کا مالک اپنا اسباب مکان سے تبدیل کرنے پر رضامند نہیں ہوا۔ یہ بھی ہمیں قبول کرنا پڑا۔ بعد ازاں بکرا حلال کرنے کی مشکل واقع ہوئی۔ کہ مسلمان بھائیوں کے رسم و رواج کی رو سے حلال کئے بغیر گوشت نہیں کھایا جاتا ہے اُسکے لئے گھر ہی میں بکرا ذبح کرنا چاہیئے۔ ڈاکٹر میر اسوقت یہاں موجود ہیں وہ بتا سکتے ہیں کہ یورپ میں حفظانِ صحت کے قواعد کسقدر سخت ہیں۔ کیونکہ اگر بکرا مکان میں ذبح کیا جائے۔ تو لوگوں میں سخت اضطراب پیدا ہو جائے۔ اور اگر ان سے رہائی حاصل کرنی ہو تو جیب خالی کرنی چاہیئے گویا ایسی ایسی باتوں کے لئے کسقدر کثیر خرچ اُٹھانے پڑے۔ اسکی مجھے خبر نہیں ہے کیونکہ تمام انتظام میرے ملازمان کرتے تھے ؛

برادری سے خارج کرنے کا سوال۔ ہندوستان میں واپس آنے پر ذات سے باہر کرنے کا سوال پیدا ہُوا۔ ہرچند کہ دون آشرم (ذاتی امتیاز) اور دیگر باتوں میں ہم نہایت محتاط ہیں لیکن آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ وہاں کی رسم و رواج اور نئی نئی اصلاحوں کے باعث ہماری حالت بالکل جدا تھی کیونکہ ہمارے عقائد اور رسم و رواج قدیم سے ایک طرح کے چلے آتے ہیں اور یہی باعث ہے کہ قدیم اصولوں میں تبدیلی کرنی پڑی ؛

طاقت کسی کام کی نہیں ہے عقل اور غور و خوض کی طاقت کا میں بڑا مداح ہوں۔ کیونکہ اس سے ہماری جہالت اور توہمات رفع ہوتے ہیں۔ نیز مذہبی معاملات میں اصلاح پسندوں کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جسمانی طاقت سے کوئی کام نہیں ہوتا اور دلائل ناکام ثابت ہوں۔ تو لوگوں کو ان خیالات اور رسم و رواج کے لئے انھیں خود تجربہ کرنے دو جسوقت وہ تمہاری زندگی کو سادہ اور مطمئن حالت میں دیکھینگے تو انھیں معلوم ہوگا۔ کہ ان میں کوئی نقص ہے ؛

برہمن اور پٹھان ایک میز پر۔ میں اس اصول کا دل سے پابند ہوں لیکن کسی دوسرے شخص کو اسکی ضمیر کے برخلاف کرنے کے لئے مجبور نہیں کرتا۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جنوبی ہند اور شمالی ہند مختلف اقوام کے لوگ پٹھانوں کے پہلو بہ پہلو گجراتی اور ناگر برہمن وغیرہ ایک ہی میز پر کھانا کھاتے ہوئے دیکھتے ہونگے" ؛

اس کے پڑھنے سے آپ کو واضح ہوگا۔ کہ ہندو مذہب کو لیکر دوسرے ممالک میں جانا کسقدر مشکلات رکھتا ہے۔ برخلاف اسکے اسلام ایک ایسا مذہب ہے کہ اس کا حامل کہیں شرمندہ نہیں ہوتا۔ کہیں مشکلات میں نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس نے کھانے پینے کے متعلق ایسی بندشیں نہیں رکھیں۔ جو غیر ضروری ہوں اسمیں طعام الذین اوتوا الکتٰب حل لکم وطعامکم حل لھم فرما کر عام اجازت دیدی ہے کہ اہل کتاب کا کھانا بے کھٹکے کھاؤ۔ ہاں چند اصول ہیں ان کا لحاظ رکھو وہ بھی اسلئے کہ تا دکھ نہ اُٹھاؤ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے قل لا اجد فی ما اوحی الیّ محرّمًا علٰی طاعم یطعمه الّا ان یکون میتة او دمًا مسفوحًا او لحم خنزیر فانه رجس او فسقًا اھلّ لغیر اللّٰه به فمن اضطرّ غیر باغ ولا عاد فان ربّك غفور رحیم ؛

ایک تو مردار نہ کھاؤ۔ دوسرا خون جاری۔ سوم خنزیر کا گوشت کیونکہ یہ سخت مضر اور ناپاک چیزیں ہیں اور ایسا ہی وہ چیز نہ کھاؤ۔ جو تمہارے روحانیات و عقائد کے لئے مضر ہو۔ مثلاً اسے غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو۔ اور پھر یہ چیزیں بھی قابل معافی ہو سکتی ہیں۔ اگر تم مضطر ہو جاؤ۔ بحالیکہ تم اپنی دلی خواہش سے انھیں نہ کھاؤ اور حد سے بڑھنے والے نہ ہو ؛

پس یہ ہے سادہ سادہ حکم جسکی ہر شہر ہر دیار میں تعمیل ہو سکتی ہے۔ اور اس تعمیل کا فائدہ بھی انسان کی اپنی جان کے لئے ہے۔ اسکے علاوہ نہ تو کہیں جانے سے مسلم بھرشٹ ہو جاتا ہے نہ کسی کافر کے ساتھ حلال چیز کھا پی لینے سے ذات سے باہر ہوتا ہے نہ کسی قسم کے لباس کی ممانعت ہے۔ نہ ننگے پاؤں چلنا ضروری۔ نہ فرش پر چلنا ممنوع علیہ اور کوئی ایسی مشکل۔ جن باتوں کو لوگ ضرورتاً اور بعد از ہزار رسوائی اختیار کر رہے ہیں یا ناجائز سے جائز سمجھنے لگے ہیں۔ ہمارے اسلام نے پہلے ہی سے ان کی اجازت دے رکھی ہے اور جسے تہذیب دنیا اب مضر سمجھ کر چھوڑ رہی ہے ہمارے اسلام نے پہلے ہی سے ان کی ممانعت کر رکھی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

دنیا اسلام کو مانے یا نہ مانے مگر اس کے اصول آہستہ آہستہ خود بخود ہی اختیار کئے جاتے ہیں اور انشاء اللہ کئے جائینگے ؛

قصص باطلہ

نمبر ۹

حضرت ابراہیمؑ کے چار پرند

قصص باطلہ کے مضمون سے عام طور پر احباب نے دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ اور جیسا کہ ہمارا خیال تھا یہ مضمون بہتوں کے لئے مفید ثابت ہوا ہے۔ اس لئے اس خیال سے کہ شائد اللہ تعالیٰ اس مضمون کے ذریعہ سے بہت سے ان لوگوں کو جو اسلام کی حقیقت سے ناواقف ہونے کیوجہ سے اور جھوٹے قصوں سے داغدار اسلام کی شکل سے نفرت رکھنے کی وجہ سے اسلام سے بیزار ہیں۔ یا اس کی طرف متوجہ ہونے اور اپنی زندگیوں کو اس کے احکام کے ماتحت چلانے کا کوئی جوش اپنے اندر نہیں رکھتے۔ فائدہ پہنچا دے۔ ہم بتوفیق الٰہی اس سلسلہ کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

پچھلے نمبر میں ہم نے تابوت سکینہ اور بقیہ مما ترک آل موسیٰ و آل ہارون پر ایک مضمون لکھا تھا۔ آج ابراہیم علیہ السلام کے چار پرندوں کے واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں یہ واقعہ ان الفاظ میں درج ہے۔ و اذ قال ابراهیم رب ارنی کیف تحیی الموتی قال اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعة من الطیر فصرهن الیك ثم اجعل علیٰ کل جبل منهن جزءا ثم ادعهن یاتینك سعیا واعلم ان الله عزیز حکیم۔ اور جب کہا ابراہیم نے کہ اے میرے رب! مجھے دکھائیے۔ کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ کیا تجھے ایمان نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں عرض کیا۔ کہ ایمان تو ہے۔ لیکن میں اس لئے یہ سوال کرتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اچھا تم چار جانور لو۔ اور ان کو اپنے ساتھ سدھالو۔ پھر ہر ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک جزو رکھدو۔ پھر ان کو بلانا۔ تمہاری طرف بھاگتے آئیں گے۔ اور خوب جان لو۔ کہ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔

اس آیت پر لوگوں نے جو حاشیے چڑھائے ہیں وہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

جانور کون سے تھے۔

۱ - ایک صاحب فرماتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیم بطخ شتر مرغ کا بچہ۔ مرغ اور مور یہ جانور لئے تھے۔

۲ - دوسرے صاحب فرماتے ہیں۔ کہ نہیں انہوں نے کلنگ۔ مرغا۔ مور اور کبوتر یہ جانور چنے تھے۔

۳ - ایک تیسرے صاحب فرماتے ہیں۔ کہ باقی جانور تو وہی تھے۔ جو دوسرے صاحب نے فرمائے ہیں۔ مگر ہماری تحقیقات میں غرنوق ان میں نہ تھا۔ بلکہ چڑیا جانور کو انتخاب ہ

صرھن کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ اصل میں اس سے مراد کاٹنا ہی ہے۔ اور مطلب ہے کہ خوب ٹکڑے کرو ان جانوروں کے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جزو کا لفظ انہی معنوں کی تائید کرتا ہے۔ پہاڑوں کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ

۱ - وہ پہاڑ جن پر پرندوں کا قیمہ رکھا گیا۔ چار تھے۔

۲ - ایک اور صاحب فرماتے ہیں۔ کہ وہ سات پہاڑ تھے پرندوں کا قیمہ کس طرح کیا گیا۔ اس کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم نے چھری لیکر ان کو ذبح کیا پھر ان کے ٹکڑے کئے۔ پھر ہر ٹکڑے پر سے پر نوچے۔ پھر باقی گوشت کو خوب پیسا۔

پہاڑوں پر قیمہ رکھنے کی کیفیت بھی مخفی نہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ کہ قیمہ کرنے کے بعد ان سب جانوروں کا قیمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملا دیا۔ اور خوب ملا کر پھر اس کے کچھ حصے تقسیم کر دیئے۔ اور ہر پہاڑ پر قیمہ کا ایک ایک حصہ رکھدیا۔

ساتھ ہی اور بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ انھوں نے سارے گوشت کا قیمہ نہیں کیا۔ بلکہ پرندوں کے سر قیمہ کرنے سے پہلے علیحدہ کر لئے تھے۔ اور ان کو اپنے پاس رکھ چھوڑا تھا۔ غرضکہ جب ان سب کاموں سے حضرت ابراہیمؑ فارغ ہو چکے۔ تو آپ ایک پہاڑی کے سرے پر آ کھڑے ہوئے اور آپ نے ان جانوروں کو آواز دی۔ آواز کا سننا تھا کہ قطرات خون الگ جمع ہونے لگے۔ قیمہ الگ جمع ہونے لگا پر الگ جمع ہونے لگے۔ آخر سب پرندوں کا گوشت اپنے اپنے حصے سے لگ گیا۔ اور پر آ کر لگ گئے۔ اور خون داخل ہو گیا۔ اور بے سر کے پرندے حضرت ابراہیمؑ کی طرف بھاگے۔ اور وہاں پہنچ کر ہر ایک پرندہ سیدھا اپنے سر کی طرف جھکا۔ اور سر کو اپنی گردن میں پرو لیا۔ اور چاروں پرندے پورے کے پورے ہو گئے

اور اس زمانہ میں یہ دلیل ہے۔ اس بات پر کہ مردہ زندہ ہو جاتے ہیں۔ اور اسی دنیا میں ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح حضرت مسیح بھی مردے زندہ کر دیا کرتے تھے۔ ہمیں اس موقعہ پر اس بحث میں پڑنے کی تو کوئی ضرورت نہیں۔ کہ سارے قصوں کو صحیح مان کر بھی یہ آیت مسیح علیہ السلام کے مردوں کے جی اٹھنے پر کیونکر دلیل ہو سکتی ہے۔ لیکن ہم اصل مضمون کے متعلق یہ بتا دینا چاہتے ہیں۔ کہ یہ سب قصے بلا کسی سند اور دلیل کے ہیں۔ اور قرآن کریم اور احادیث صحیحہ ان کی ہرگز تائید نہیں کرتیں۔ اور ان کے بنانے والوں نے اپنی نادانی سے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ قرآن کریم کی آیت موجود ہے۔ احادیث میں اس آیت کے متعلق جو تفسیر ہے۔ وہ بھی موجود ہے۔ کہیں بھی قیمہ کرنے پر نوچنے سر چھپا رکھنے وغیرہ اباطیل کا ذکر نہیں آتا۔ مگر قصہ بنانے والوں نے دروغ گویم بر روئے تو کی مثال سے کام لے ہی لیا۔ اور پھر بڑے بڑے بزرگوں کی طرف اپنی باتوں کو بلا سند منسوب کر دیا۔ کسی بات کی نسبت کہدیا۔ کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ کسی کو مجاہد کی طرف منسوب کر دیا۔ اور کوئی بات حسن بصری کے ذمہ لگا دی۔ اور جہاں تک ہمارا یقین اور ایمان ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ یہ لوگ ان قصوں سے پاک ہیں۔ اور قرآن کریم پر جرأت کرنے سے ان کی شان بلند ہے۔ اور یہ سب کچھ بعد میں آنے والے لوگوں کی بناوٹ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ان قصص کے بیان کرنے کے بعد ہم بتاتے ہیں۔ کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں کن باریک باتوں کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ اور کن صداقتوں پر ہمیں آگاہ کیا ہے۔

انبیاء کی جو شان قرآن کریم بیان فرماتا ہے۔ اس سے یہ بات بالکل بعید معلوم ہوتی ہے۔ کہ حضرت ابراہیم کو احیاء موتیٰ میں کچھ شک تھا۔ بلکہ عام مومن کی بھی شان نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے مردوں کے زندہ کرنے کی نسبت اسے کچھ شک پیدا ہو۔

پس حضرت ابراہیم ع کی نسبت یہ بات تو منسوب نہیں ہو سکتی دوسرے قرآن کریم میں صرھن الیك ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ سدھانے۔ نہ کہ قیمہ کرنے۔ کیونکہ اگر صرھن کے معنی قیمہ کرنے کے ہوتے۔ تو اس کے ساتھ الیك نہ آتا۔ ورنہ اس کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ پھر ان کو اپنی طرف قیمہ کرلے حالانکہ اپنی طرف قیمہ کرنا ایک بے معنی فقرہ ہے۔ اور اگر ہلانے کے معنی کریں۔ تو یہ معنے ہوں گے۔ کہ اپنے ساتھ سدھا لے۔ ہلالے۔ اور یہ معنی بالکل بامحاورہ ہیں۔ پس ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قیمہ کرنے کا یہاں کوئی ذکر نہیں اور جب قیمہ کا کوئی ذکر نہ ہوا۔ تو اس آیت کے یہی معنی ہوسکیں گے کہ چار جانور اپنے ساتھ سدھالے۔ اور پھر ان کو اپنی طرف بلا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہ دلیل احیاء موتٰی کے ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں۔ کیونکہ جانوروں کے آجانے اور مردوں کے زندہ ہو جانے کا آپسمیں کوئی تعلق نہیں۔ پس اب ہمیں احیاء موتٰی کے کوئی اور معنی تلاش کرتے ہوں گے کیونکہ اگر مردہ زندہ کرنے کے کریں۔ تو آیت کا مضمون نعوذ باللہ لغو ہو جاتا ہے۔ کیونکہ صرھن کے معنے قیمہ کرنے کے نہیں۔ اور اگر سدھا لینے کے معنی کریں۔ تو یہ احیاء موتٰی کی دلیل ہی نہیں۔ اور اس سے تو اس بات پر ایمان بھی نہیں پیدا ہو سکتا۔ اطمینان تو بڑی چیز ہے۔

جب ہم لغت اور قرآن کریم کے محاورہ کو دیکھتے ہیں۔ تو آبادی اور ویرانی اور ترقی اور تنزل کے معنوں میں بھی احیاء اور اماتت کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں چنانچہ قرآن کریم میں زمین کی آبادی و ویرانی کی نسبت یہ لفظ ذیل کی آیت میں استعمال ہوئے ہیں۔ وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتہا وبث فیہا من کل دابۃ بقرہ ۲۰ یعنی (عقلمندوں کے لئے نشان ہیں۔ اسمیں) جو اتارا اللہ تعالٰی نے آسمان سے پانی۔ پس زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے مرنے کے بعد اور اس میں پھیلائے ہر قسم کے جانور۔ اسی طرح سورۃ نحل میں ہے۔ واللہ انزل من السماء ماء فاحیا بہ الارض بعد موتہا۔ سورۂ جاثیہ اور عنکبوت میں بھی یہ بیان ہے۔ پس ان آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زمین کی آبادی و ویرانی اور سرسبزی و خشکی پر احیاء موتٰی کا اطلاق ہو سکتا ہے ؎

انسانوں کے بدی سے بچکر نیکی اختیار کرلینے کی نسبت سورہ انعام میں فرماتا ہے۔ اومن کان میتا فاحیینٰہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منہا۔ کیا وہ شخص جو مردہ تھا۔ پس ہم نے اسے زندہ کیا۔ اور اس کے لئے نور مقرر کیا۔ کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے۔ جو اندھیروں میں ہے۔ اور ان سے نکل نہیں سکتا۔ اس آیت میں بے دینی سے دینداری کی حالت کے بدلدینے کا نام مردہ سے زندہ کرنا رکھا ہے ؎

اس تشریح کے بعد ہم آیت مذکورہ کے معنوں کے حل کرنے کی طرف آتے ہیں۔

ہم پہلے بتاچکے ہیں۔ کہ آیت مذکورہ بالا میں کسی پرندہ کے مارنے اور پھر زندہ کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ چار پرندوں کو سدھانے اور پھر ان کو بلانے کا ذکر ہے۔ پس اگر کیف تحیی الموتٰی کے یہ معنی کریں۔ کہ الٰہی آپ مردہ کو زندہ کیونکر کرتے ہیں۔ تو جانوروں کا سدھانا اور ان کو بلانا اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اور نعوذ باللہ قرآن کریم پر اعتراض آتا ہے۔ پس ہمیں کوئی اور معنی تلاش کرنے چاہئیں۔ اور جب ہم قرآن کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو وہ خود ہمیں احیاء موتٰی کے دو اور معنی بتاتا ہے۔ زمین کی سرسبزی و خشکی آبادی و ویرانی اور کسی قوم کا بے دینی کو چھوڑ کر دیندار ہو جانا۔ پس جب پہلے معنی اس آیت کے مطابق نہیں تو ان معانی میں سے کوئی ہمیں اختیار کرنے پڑیں گے۔ اور ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیم کی شان کے مطابق آخری معنے بالکل درست ہیں۔ اور ہم جب اس آیت کی مزید تشریح کریں گے۔ تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ یہی درست بھی ہیں۔ اور حضرت ابراہیم ع نے یہی سوال فرمایا ہے۔ کہ الٰہی آپ مجھے بتائیے۔ کہ آپ ایک بدکار قوم کو کیونکر نیک بنلتے ہیں ؎

اس سوال کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ اس سے ہرگز یہ مراد نہیں۔ کہ حضرت ابراہیم کو اس بات میں شک تھا۔ بلکہ بعض سوال حصول مدعا کے لئے ہوتے ہیں۔ یعنی ان سے اس چیز کا وجود یا اس کی کیفیت مراد نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے۔ کہ ہمیں بھی اس چیز سے متمتع کیجیے۔ اس بات کے سمجھانے کے لئے میں ایک مثال دیتا ہوں۔ حضرت خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ اپنا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے۔ کہ ہم ایک رئیس کے پاس تھے۔ اس کا لڑکا بیمار تھا۔ اور ہم سے علاج کروایا کرتا تھا۔ اس رئیس نے کہیں سے بے موسم کے آم منگوائے۔ اور کچھ اپنے بیٹے کو بھی بھیجے۔ چونکہ وہ بیمار تھا۔ ہم سے پوچھا۔ کہ حکیم صاحب آم کھانے کی آپ مجھے اجازت دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں چونکہ بے موسم کے آم تھے۔ میرا دل بھی چاہا۔ لیکن چونکہ میری عادت سوال کرنے کی تو تھی نہیں۔ میں نے اس سے کہا۔ کہ جناب آم کیسے؟ اس نے بات نہ سمجھی۔ اور چپ ہو رہا۔ ایک دو دن کے بعد پھر پوچھا۔ اور پھر میں نے وہی جواب دیا۔ اتفاقاً وہ آم خراب ہو گئے۔ جب اس رئیس کو لڑکا ملا۔ تو اس نے دریافت کیا۔ کہ تم کو ہم نے آم بھیجے تھے۔ تم نے کھالئے؟ اس نے کہا۔ میں نے طبیب صاحب سے دو مرتبہ دریافت کیا تھا۔ انھوں نے دونوں دفعہ یہی جواب دیا۔ کہ کیسے آم؟ اور آم پڑے پڑے سڑ گئے۔ اس پر اسکا والد سخت ناراض ہوا۔ کہ تم ہرگز ریاست کے لائق نہیں۔ تم نے اسی وقت ایک ٹوکرا بھر کر آموں کا ان کی خدمت میں بھجوا دینا تھا۔ تم اس قدر بات بھی نہیں سمجھے۔ اس سوال سے مراد ان کی یہ نہ تھی۔ کہ آموں کی کیسی شکل ہوتی ہے۔ بلکہ یہ مراد تھی۔ کہ مجھے بھی کچھ بھیجئے۔ اس مثال سے میرا مطلب پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ کبھی کیسے یا کسطرح سے غرض کیفیت معلوم کرنی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ بھی طلب کرنے کا ایک طریق ہے۔ پس حضرت ابراہیم نے اس سوال میں یہ دریافت نہیں فرمایا۔ کہ آپ کسی بے دین قوم کو دیندار کسطرح بناتے ہیں۔ بلکہ یہ چاہا ہے۔ کہ میری قوم کے ساتھ بھی یہ معاملہ کیجیے۔ اور میری نسل کو بھی دین کی اعلیٰ ترقیوں کا وارث کر کے حقیقی زندگی سے آشنا فرمائیے چنانچہ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ اولم تؤمن کیا تم کو ایمان نہیں۔ کہ ہم ایسا کر سکتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا۔ کہ بلٰی ایمان تو مجھ کو ہے۔ اس جواب سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم کی غرض دریافت کیفیت احیاء موتٰی نہ تھی۔ بلکہ طلب انعام احیاء موتٰی تھی

حضرت ابراہیم ع کا اگلا فقرہ اور بھی اس جواب کی تشریح کر دیتا ہے۔ اور وہ آگے یہ فرماتا ہے۔ کہ ولکن لیطمئن قلبی لیکن میرا یہ مطالبہ اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے ہے۔ اس

آیت کے اگر یہ معنی کئے جائیں۔ کہ انھوں نے کہا۔ کہ میں اسلئے یہ نظارہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہ مجھے اطمینان حاصل ہو۔ تو اس سے نعوذ باللہ ظاہر ہوگا۔ کہ آپکو اللہ تعالیٰ کے مردہ زندہ کرنے پر کامل ایمان نہ تھا۔ کیونکہ جب کسی چیز پر ایمان ہو۔ تو اطمینان جو ایمان کے ہی معنوں میں ہوتا ہے۔ وہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً جب ایک انسان کو یقین ہو۔ کہ خدا ہے۔ تو پھر اس مسئلہ میں اسے بے اطمینانی ہرگز حاصل نہ ہوگی۔ اور اگر اسے اطمینان نہیں۔ بلکہ گھبراہٹ ہے۔ تو پھر لازماً یہ بھی ماننا پڑیگا۔ کہ اسے ایمان بھی نہیں۔ اور اگر ایمان ہے۔ تو اطمینان بھی ضروری ہے۔ پس مذکورہ بالا معنوں کے لحاظ سے حضرت ابراہیم کا یہ کہنا لغو ہوجاتا ہے۔ کہ مجھے ایمان تو ہے مگر اطمینان چاہتا ہوں۔ کیونکہ کسی بات پر ایمان ہونا کہ یہ یوں ہی ہے۔ اس بات کو چاہتا ہے۔ کہ انسان کے دلکو پھر اس طرف سے گھبراہٹ نہ رہے۔

جب اطمینان کے یہ معنی نہیں ہوسکتے۔ تو ہم اطمینان کے کوئی اور معنے تلاش کریں جن معنوں کے لحاظ سے ایمان کے باوجود اطمینان کی ضرورت ہو۔ اور وہ معنی ہیں "تسلی" کے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کو ایمان ہو۔ کہ مرنے کے بعد جزا سزا ہے۔ اور دوزخ و جنت ہیں۔

لیکن اگر اس کو یہ یقین نہ ہو۔ کہ میں جنت میں جاؤنگا۔ کہ دوزخ میں۔ تو اس کو اطمینان نہ ہوگا۔ پس ایمان تو اسبات پر ہوتا ہے۔ کہ فلاں انعام ملیگا۔ یا فلاں سزا دیجائیگی۔ لیکن اطمینان تب ممکن ہے۔ جب یہ بھی یقین ہوجائے۔ کہ فلاں انعام ہم کو بھی ملیگا۔ اور فلاں سزا سے ہم ضرور بچ جائیں گے مثلاً قیدی جانتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ کبھی قیدیوں کو کسی خوشی کے موقعہ پر چھوڑ دیتی ہے۔ اور اس پر ان کو ایمان ہے کہ ایسا ہوتا ہے۔ مگر اس ایمان کے حصول سے ان کے دل کو اطمینان نہیں اور اسوقت تک نہیں۔ جبتک ان کو یہ نہ معلوم ہوجائے کہ گورنمنٹ اس موقعہ پر ان کو بھی چھوڑنا چاہتی ہے۔ جب وہ یہ معلوم کریں گے۔ تو ان کے ایمان کے ساتھ اطمینان بھی ملجائیگا۔ اور اس صورت میں حضرت ابراہیم کی شان کے خلاف کوئی بات ہمیں تسلیم نہیں کرنی پڑتی۔ حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں۔ کہ الٰہی مجھے ایمان ہے۔ کہ حضور بے دین قوموں کو دیندار کردیا کرتے ہیں۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ حضور میری نسل کی نسبت بھی وعدہ فرمائیں۔ کہ ان کی بھی حضور وقتاً

فوقتاً مدد فرماتے رہا کریں گے۔ اور جب وہ گمراہ ہوکر مردہ ہو جائیگی۔ تو آپ اس کو زندہ کریں گے۔ تاکہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہو۔ کہ یہ معاملہ میرے ساتھ بھی ہوگا۔ جسپر اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا۔ کہ ہاں ہم ایسا کریں گے چنانچہ فرمایا۔ کہ فخذ اربعة من الطیر فصرھن الیك ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءً ثم ادعھن یاتینك سعیا واعلم ان اللہ عزیز حکیم۔ یعنی چار پرندوں کو لے۔ پس ان کو اپنے ساتھ سدھا۔ اور پھر ایک ایک پہاڑ پر ایک ایک پرندہ رکھدو۔ پھر ان کو اپنی طرف بلاؤ۔ وہ بھاگے آئیں گے۔ اور جان لو۔ کہ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔

یعنی تم پرندے لیکر ان کو سدھا کر انہیں مختلف جگہ پر رکھ کر دیکھو۔ کہ وہ تمہارے بلانے پر آتے ہیں یا نہیں کیوں آتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ تمہارے ہاتھ سے دانا لینا سیکھ چکے ہیں۔ پس جب رب العالمین کسی قوم کو بلائیگا۔ تو وہ کیوں ترقی نہ کریگی۔ اس آیت میں بجائے اس کے کہ یوں کہا جاتا۔ کہ کوئی شخص پرندہ کو سدھالے۔ اور پھر اسے بلائے۔ تو وہ اس کی طرف دوڑا آتا ہے۔ یوں فرمایا ہے کہ تم چار پرندہ لیکر انہیں سدھاؤ۔ جسمیں حضرت ابراہیم کے مطالبہ کی قبولیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہوگا۔ ان معنوں میں وہ اعتراض بھی دور ہوجاتا ہے۔ جو پرندوں کی تعداد پر پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر مردہ زندہ ہونیکی تمثیل تھی۔ تو پھر چار پرندوں کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ایک پرندہ کا قیمہ کرکے بلا لینا بھی کافی تھا بیفائدہ چار پرندوں کی شرط کیوں لگائی۔ اللہ تعالےٰ تو لغو سے پاک ہے۔ لیکن جو معنے میں نے کئے ہیں۔ اس میں یہ اعتراض بھی اٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ چار پرندوں کی طرف اشارہ فرما حضرة ابراہیم کی اولاد کی چار دفعہ کی ترقی کی طرف اشارہ تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے چنانچہ سورہ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل کی دو ترقیوں اور تنزلوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ ان کا پہلے سے وعدہ دیا گیا تھا۔ اور آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ کے مثیل ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے۔ جو تمہارے کاموں کا نگران ہے۔ اور یہ رسول اس رنگ میں بھیجا گیا ہے۔ جیسے فرعون کی طرف رسول بھیجا گیا ہے۔ پس آپ کی امت کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہونا تھا۔ جو بنی اسرائیل سے ہوا۔ یعنی دو دفعہ اس نے ترقی کرنی تھی۔ اور دو دفعہ تنزل۔ چنانچہ سورہ جمعہ کے پہلے رکوع میں واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم فرماکر مسلمانوں کی دو ترقیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ غرضکہ بنی اسرائیل کی دو خاص ترقیاں اور بنی اسمٰعیل کی دو خاص ترقیاں ایسی ہونے والی تھیں۔ جو خاص فضلوں کے ماتحت تھیں۔ اور یہ دونوں جماعتیں حضرت ابراہیم کے دو بیٹوں سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان چار ترقیوں کی طرف اشارہ فرمانے کے لئے فرمایا۔ کہ چار پرندلو۔ اور ان کو سدھاؤ۔ حالانکہ اصل مطلب تو ایک پرندہ سے بھی حاصل ہوسکتا تھا۔ ہاں چار میں آنیوالی ترقیوں کی تعداد کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ پس چار کا لفظ فضول نہیں تھا۔ بلکہ اس کے اندر ایک عظیم الشان پیشگوئی مخفی تھی۔

اب ایک سوال رہ جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس آیت میں یہ الفاظ ہیں۔ کہ ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءً ہر ایک پہاڑ پر ایک جزء رکھدو۔ پس اگر قیمہ نہیں کیا گیا تھا تو جزء کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا۔ لیکن یہ اعتراض بھی قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جب ایک چیز کی جزو ہو۔ تو وہ ایک حصہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر جماعت کی جزو کہا جائے تو اس سے اس کے افراد مراد ہوں گے۔ ایک بکرے کے جزو اسکے اعضاء ہیں۔ لیکن ایک ریوڑ کے جزو پورے بکرے ہیں۔ اور چونکہ اس آیت میں چار جانوروں کا ذکر ہے اس لئے ہر پہاڑ پہ جزو رکھنے سے مراد یہ ہے کہ ہر پہاڑ پر ایک ایک پرندہ رکھ دو۔ اور یہ معنے جزو کے ہم اپنے پاس سے نہیں بناتے۔ بلکہ قرآن کریم میں جزو کا لفظ ان معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ دوزخیوں کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان جھنم لموعدھم اجمعین لھا سبعة ابواب لکل باب منھم جزء مقسوم۔ سورہ حجر ع ۳۔ جہنم ان سب کا ٹھکانا ہے۔ اسکے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازہ کے لئے ایک جزو مقرر ہے اگر جزو کے معنے ٹکڑہ کے ہی کئے جاویں۔ تو اس آیت کا مطلب یہ بنیگا۔ کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں۔ اور جب دوزخیوں کے لئے دوزخ میں ڈالے جانیکا حکم ہوگا۔ تو ان کا قیمہ کیا جائیگا

اور ٹوکری بھر بھر کر دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ حالانکہ اس آیت کے یہ معنے کوئی بھی نہیں کرتا۔ اور تیرہ سو سال میں آج تک کسی کو یہ معانی نہیں سوجھے۔ بلکہ اس کے یہی معنے کئے جاتے ہیں۔ کہ دوزخیوں کی جماعت کے حصے ہوں گے۔ اور کچھ ایک دروازہ سے کچھ دوسرے دروازہ سے داخل ہوں گے اور یہی معنے درست ہیں۔ اور ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءً میں یہی معنے کرنے چاہئیں یعنی چار پرندوں کو بانٹ کر ایک کو ایک پہاڑی پر اور دوسرے کو دوسری پر اور تیسرے کو تیسری پر اور چوتھے کو چوتھی پہاڑی پر رکھدو۔ اور پھر بلاؤ۔ وہ بھاگے چلے آئیں گے۔

اب میں ثابت کر چکا ہوں۔ کہ اس آیت کی نسبت جو قصے بیان کئے جاتے ہیں۔ وہ محض لغو اور باطل ہیں نہ صحیح احادیث سے ان کا پتہ چلتا ہے۔ اور نہ قرآن کریم کے الفاظ ان کے متحمل ہیں۔ اور اس کے بعد میں نے بتایا ہے کہ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی نسل کی ترقی اور بلندی کی درخواست کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ کہ ہاں ہم ایسا کریں گے۔ اور اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کو اطمینان بخشا ہے۔ اور یہ بھی بتا دیا ہے۔ کہ چار موقعوں پر تمہاری نسل پر خاص فضل ہوگا۔

عیسائیوں کے ایک اعتراض کا جواب

لفظ ذنب اور غفر کی اصلیت

نمبر ۳

گذشتہ دو نمبروں میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ذنب کا لفظ گناہ کے معنوں میں اور غفر کا لفظ گنہگار ہونے کی صورت میں قرآن شریف کی رو سے استعمال نہیں کیا گیا۔

اب ہم یہ بتاتے ہیں۔ کہ لفظ ذنب اور استغفار کے کیا معنی ہیں۔ اور یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کن معنوں میں اور کیوں استعمال کئے گئے ہیں اللہ تعالے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے۔ انا فتحنا لک فتحاً مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر و یتم نعمتہ علیک ۝۔ اے رسول! ہم نے تجھے ایک فتح دی ہے۔ مگر یہ کوئی معمولی فتح نہیں ہے۔ بلکہ فتح مبین یعنی بڑی بھاری فتح ہے۔ یہ فتح کیوں دی ہے۔ اس لئے تاکہ اللہ بخش دے۔ جو گناہ تم نے آگے بھیجے۔ اور جو پیچھے رہ گئے۔ اور تم پر اللہ اپنی نعمت کو پورا کرے۔ (یہ وہی معنی کئے گئے ہیں۔ جو عیسائی کرتے ہیں) ایک دوسری جگہ قرآن شریف میں اسطرح آیا ہے۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔ یہاں اللہ تعالے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے۔ جب تمہیں بڑی بھاری فتح حاصل ہوئی ہے۔ اور فوجوں کی فوجیں دین الہی میں داخل ہو رہی ہیں۔ تو ان لوگوں کے لئے استغفار کرو۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ذنب کے کیا معنی ہیں۔ ذنب اصل میں دُم کو کہتے ہیں۔ اور گناہ کے لئے اصل عربی زبان میں جناح کا لفظ ہے۔ جو کہ بدلتے بدلتے گناہ بن گیا ہے۔ پھر اثم۔ طغیان۔ عصیان وغیرہ الفاظ گناہ کے مترادف عربی زبان میں استعمال کئے جاتے ہیں ان الفاظ میں سے کوئی ایک بھی کسی نبی کے متعلق قرآن شریف میں استعمال نہیں کیا گیا۔ ذنب کے معنی دُم ہیں۔ اور چونکہ دُم ایک زائد چیز ہوتی ہے۔ اور گناہ بھی ایک زائد بات ہی ہوتی ہے۔ جو کہ انسان کو کرنی نہیں چاہئے۔ اور وہ اسے کر بیٹھتا ہے۔ اس لئے اس وسعت مطلب کے لحاظ سے ذنب کا لفظ گناہ کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ معنی کرنے کے لئے قرینہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اب جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ تو ہمیں اس کے قرینہ کو دیکھنا چاہیئے چونکہ کئی جگہ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آچکا ہے۔ کہ آپ ہر قسم کی بدیوں اور برائیوں سے خود ہی پاک نہیں تھے بلکہ اوروں کو بھی پاک کرنے والے تھے۔ اس لئے ذنب کے معنی آپ کی نسبت گناہ کے کسی صورت میں نہیں کئے جاسکتے۔

اب ہم اس آیت کے معنی کرتے ہیں۔ جو کہ تین طرح پر کئے جاسکتے ہیں۔ اول اس طرح کہ بعض جگہ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے حالانکہ وہاں آپ مخاطب نہیں ہوسکتے۔ جیسا کہ آیا ہے۔

اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما افٍّ ولا تنھرھما ۱۷-۲۴۔

اے ہمارے رسول! اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائے۔ یا وہ دونوں تیرے سامنے بوڑھے ہو جائیں۔ تو ان کو جھڑکی مت دو۔ بلکہ اف بھی نہ کہو۔ اس حکم کے مخاطب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مگر مراد اس سے آپ کی امت ہے۔ کیونکہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اور بلا کسی قسم کے اختلاف کے یہ مانی ہوئی بات ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین آپکے بچپن میں ہی فوت ہوچکے تھے۔ لیکن اللہ تعالے آپ ہی کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ ماں باپ میں سے ایک یا دونوں اگر تمہارے سامنے بوڑھے موجود ہوں۔ تو ان کو اف بھی نہ کہنا۔ تو اس آیت کے یہی معنے کئے جاتے ہیں۔ کہ اس سے آپ کی امت مراد ہے۔ اور تمام امت کو یہ حکم دیا گیا ہے اور اس طرح کا طریق کلام دنیا میں بھی رائج ہے۔ مثلاً ایک مجسٹریٹ اپنے سلخوان سے کسی مقدمہ کا فیصلہ اس طرح لکھواتا ہے۔ کہ لکھو۔ تمہیں اتنے سال قید اور اتنا جرمانہ کیا جاتا ہے۔

یہ سن کر وہ لکھنے والا چیخ نہیں اٹھتا ـ کہ حضور مجھے کیوں قید کیا جا رہا ہے ـ اور کیوں مجھ پر جرمانہ ہو رہا ہے میں نے تو کوئی جرم نہیں کیا ـ اسے جو کچھ لکھوایا جاتا ہے وہ لکھتا جاتا ہے ـ اسی طرح ایک بادشاہ اپنے منشی سے ملازمین کو انعام و اکرام دینے کے لئے لکھواتا ہے ـ کہ لکھو ـ تمہیں فلاں جاگیر یا اتنے روپے انعام دیا جاتا ہے ـ اس سے لکھنے والا یہ نہیں سمجھ لیتا ـ کہ مجھے جاگیر یا انعام دیا گیا ہے ـ بلکہ جس کی نسبت ہوتا ہے ـ اس کے متعلق وہ بھی خوب سمجھتا ہے ـ تو یہ طریق دنیا میں بھی جاری ہے ـ اور قرآن شریف میں بھی خدا تعالےٰ نے اس کو استعمال فرمایا ہے ـ تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ ثابت ہو گیا ـ کہ آپ سے خدا تعالیٰ نے ایسی کلام بھی کی ہے ـ جس سے آپ مراد نہیں ہیں ـ تو یہاں اگر یہ لکھا ہوا ہے ـ کہ "تیرے ذنب" اور دوسری کئی جگہ آپ کو پاک بتایا گیا ہے ـ تو ہم اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں لیں گے ـ بلکہ آپ کی امت کو مراد لیں گے ـ اور آپ کے ذنب نہیں ـ بلکہ آپ کی امت کے ذنب اس کے معنی ہوں گے ایک تو اس کے یہ معنی ہوئے ـ اور دوسرے یہ کہ "تیرے گناہ" سے یہ مراد نہیں ہے ـ کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) گناہ کئے ـ بلکہ یہ کہ جو غیروں نے تیری نسبت یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گناہ کئے ہیں وہ گناہ مراد ہیں ـ مثلاً یہ کہا جائے ـ کہ فلاں نے میرا گناہ کیا ہے ـ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے ـ کہ میں نے کوئی کسی کا گناہ کیا ہے ـ بلکہ یہ کہ کسی نے میرے متعلق جو گناہ کیا ہے ـ وہ مراد ہے ـ اور یہ بھی کلام کا ایک طریق ہے ـ اس صورت میں یہ معنے ہوئے ـ کہ خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ جو تیرے لئے گناہ کئے گئے ہیں ـ یعنی تیری بتائی ہوئی جو باتیں انہیں کرنی چاہئے تھیں ـ انہوں نے نہیں کیں ـ اور تیری منع کی ہوئی باتیں جن سے انہیں رکنا چاہیے تھا ـ وہ نہیں رکے ـ ان کو ہم معاف کر دیں گے تم کو اب چونکہ ان پر ایک عظیم الشان فتح دی گئی ہے اس لئے ان لوگوں نے جو تمہیں تکلیفیں اور دکھ پہنچائے تھے ـ آج ہم ان کے بدلے میں انہیں سزا نہیں دیں گے ـ اور معاف کر دیں گے ـ چنانچہ قرآن شریف میں دوسری جگہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اسی لئے خدا تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے ـ جب مکہ فتح ہوا ـ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے پوچھا ـ کہ بتاؤ ـ اب تم سے کیا سلوک کیا جائے ـ انہوں نے کہا جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے سلوک کیا تھا ـ وہی آپ ہم سے کیجئے ـ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ـ لا تثریب علیکم الیوم ـ جاؤ آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جاتا ـ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا ـ کہ تمہیں بڑی بھاری فتح دی گئی ہے ـ پس تمہارے حق میں جو ان لوگوں کی طرف سے گناہ کئے گئے تھے ـ ان کو ہم معاف کر دیتے ہیں اور ان کی کوئی سزا نہیں دیتے ـ اور یہ بھی ایک کھلی بات ہے ـ کہ فتح کا نتیجہ یہ نہیں ہوا کرتا ہے ـ کہ فاتح کے گناہ معاف ہوتے ہیں ـ بلکہ مفتوح کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں ـ اس لئے یہ دوسرے معنی ہوئے ـ تیسرے معنی اگر ذنب کے معنی گناہ کے ہی کئے جائیں ـ تو اس طرح ہیں کہ ذنب کے لفظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے ـ کہ یہ ایک خاص موقعہ پر استعمال کیا گیا ہے ـ یعنی فتح کے ساتھ ذنب کا لفظ استعمال ہوا ہے ـ چنانچہ پہلی دونوں آیتوں میں فتح کے ساتھ ہی ذنب کا لفظ آیا ہے ـ اس بات پر غور کرنے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے ـ کہ فتح کے ساتھ کچھ ذنب ہوتا ہے ـ اور اس کی ایک وجہ بھی ہے ـ دیکھو ـ سکولوں میں گورنمنٹ نے حکم دے رکھا ہے ـ کہ کسی ایک استاد کے پاس چالیس سے زیادہ لڑکے جماعت کے نہ ہونے چاہئیں ـ کیونکہ وہ اس سے زیادہ لڑکوں کی غور و پرداخت نہیں کر سکتا ـ اس بات کو مدنظر رکھ کر یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی ـ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف رکھتے تھے ـ اور ابھی مکہ فتح نہیں ہوا تھا تو آپ کے پاس تھوڑے آدمی تھے ـ جو کہ مسلمان تھے ـ ان کی خبر گیری آپ آسانی اور اطمینان سے کر سکتے تھے ـ لیکن فتح مکہ کے بعد جب اسلام میں فوجوں کی فوجیں آنی شروع ہو گئیں ـ تو ضروری تھا ـ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی حال ہوتا ـ جو ایک ایسے ماسٹر کا ہو جس کے سپرد سو ڈیڑھ سو لڑکا کر دیا جائے ـ اور ایسا ہونے کا نتیجہ بہت خطرناک نکلتا تھا ـ کیونکہ ہر ایک قوم و ملک کی تباہی اسی وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ ان کی فتوحات شروع ہوتی ہیں ـ کیونکہ پھر وہ اتنے لوگوں کا انتظام قائم نہیں رکھ سکتیں ـ تو جب لاکھوں لاکھ انسان اسلام میں داخل ہونے لگے ـ تو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم دینا مشکل تھا ـ اور اس طرح تعلیم میں نقص واقع ہونے کا بھی ڈر تھا اور جب تک خدا تعالیٰ ہی کا خاص فضل نہ ہوتا تمام لوگ دین سے بے بہرہ رہ سکتے تھے ـ جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر ہوا ـ تو خدا تعالیٰ نے آپ کو فرمایا ـ کہ ہم نے تم کو ایک ایسی فتح دی ہے ـ جس میں خاص جلال اور شوکت ظاہر ہوتی ہے ـ اور لوگوں کے گروہ کے گروہ تمہارے پاس کھینچے چلے آ رہے ہیں ـ اس لئے تمہیں شائد یہ خوف ہو ـ کہ اس فتح کا نتیجہ تنزل نہ ہو ـ اس لئے ہم تمہیں بتلاتے ہیں ـ کہ ہم اس نقص کو دور کر دیں گے ـ اور اس تمہاری کمزوری کو کہ تم سب کو تعلیم نہیں دے سکو گے ـ ہم ڈھانپ دیں گے ـ چنانچہ ایسا ہی ہوا ـ اور وہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب اسلام لائے ـ انھوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی اور اسلام کی بڑی اشاعت کی ہے ـ حالانکہ ایسے لوگ جنہوں نے نبی کی زیادہ صحبت حاصل نہ کی ہو ـ انہیں جلدی ابتلا آ جانا ممکن ہوتا ہے ـ تو اس آیت میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ـ کہ تم کوئی فکر نہ کرو ـ ان تمام لوگوں کا ہم خود فکر رکھیں گے ـ اور اس نقص کو دور کر دیں گے ـ لیکن اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہ نہیں کہا جا سکتا ـ بلکہ یہ بشریت ہے ـ اور تمام جہان کو خدا تعالےٰ کی تائید اور مدد کے بغیر تعلیم دینا کسی بشر کی طاقت میں نہیں ہے ـ پس اس آیت کے یہ تین معنی ہیں ـ جو بیان کر دیئے گئے ہیں ـ نہ کہ اس کے وہ معنی ہیں ـ جو عیسائی صاحبان کرتے ہیں ٭

معین المبلغین